ڈاکٹر محمد عاطف اسلم راؤ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی،
جامعہ کراچی، کراچی

مکتوباتِ مسعودی (غم نامے اور تعزیت نامے): تجزیاتی مطالعہ

ABSTRACT

"An Analytical Study of Maktoobat e Masoodi: Condolatory and Grieving Letters"

By Dr. Muhammad Atif Aslam Rao, Assistant Professor, Department of Islamic Learning, University of Karachi, Karachi.

The charismatic personality of Prof. Dr. Muhammad Masood Ahmed had excellence in Islamic and Urdu literary services both. In Urdu literature, the significance of letters (Maktoobat) stands high. The letters of condolence reflect charisma of Prof. Masood's personality. Dr. Masood's letters are, in fact, an artifice of sad realities, coupled with the severeness and bitterness of death. He strived for seeking panacea for the aggrieved families by euphimizing this very severeness and providing a psychological relief for the effected ones. At one place they are letters of condolence while they are masterpieces of literature too and this respect is the core theme of this research paper in hand.

خطوط کے حوالہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ مکتوب نگار کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں مکتوب نگار اپنی قلبی کیفیات، احساسات و جذبات کو بھی زینت قرطاس کرتا ہے جو عام حالات میں تکلفاً بھی نہیں کیے جاتے۔ نہ ہی یہ کسی کی خوشنودی کے لیے لکھے جاتے اور نہ ان پر کوئی اصول وقوانین لاگو ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخصیت کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ ان کے مکاتیب ہوتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

> ''خطوط میں انسان کسی رنگ و روغن کے بغیر اصلی شکل میں ظاہر ہوتا ہے چونکہ خط یہ جانتے ہوئے لکھا جاتا ہے کہ اسے شائع نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے یہ مکتوب نگار کی کیفیت کا سچا آئینہ دار ہوتا ہے(۱)۔''

اردو نثر میں مکتوب نگاری کی ایک قدیم روایت موجود ہے۔ ہر دور میں مشاہیر نے اپنے معاصرین کے نام

خطوط لکھے ہیں۔ جن میں تاریخ وتہذیب، ادبی وثقافتی، سیاسی ومعاشرتی، ملکی وبین الاقوامی اور بسااوقات قلبی واردات کی لہریں موجزن ہوتی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (۱۹۳۰ء۔۲۰۰۸ء) کی علمی وادبی اور تحقیقی خدمات جہاں ہمہ جہت اور مختلف موضوعات پر مبنی ہیں، وہیں کثیر اللسانی بھی ہیں۔ وہ کثیر التصانیف تو تھے ہی کثیر المکتوبات بھی تھے۔ ان کے خطوط میں بھی دیگر تحریروں کی طرح علمی اور تحقیقی رنگ غالب ہے۔ ان کا شماران مکتوب نگاروں میں ہوتا ہے جن کی تحریروں میں مزاج ومیلانات، کردار ورجحانات واضح ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود صاحب کا حلقہ بہت وسیع تھا اور احباب کی طبیعتوں میں تنوع بھی پایا جاتا تھا۔ چوں کہ ان کا تعلق ایک دینی وروحانی سلسلہ سے تھا اس لیے ان کے مکاتیب میں للّٰہیت، خوف وخشیت اور فکر آخرت کے عناوین بھی بکثرت ملتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خانقاہی بزرگوں کی طرح گوشہ نشین، زاہدِ خشک اور مریدین کے مخصوص حلقہ میں اسیر نہیں تھے، بلکہ وہ ایک مجلسی انسان تھے۔ ان کے خطوط میں ایک نیک دل، سلیم الفطرت اور پرخلوص وبے ریا کردار کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ خط وکتابت کے سلسلے میں وہ اتنے فیاض تھے کہ روزانہ کی بنیادوں پر ایک بڑی تعداد میں انھیں خطوط موصول ہوتے اور وہ ان کا جواب دینا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے۔

ان کے مکاتیب میں خاصی تعداد تعزیتی خطوط کی ہے جن کو مکتوباتِ مسعودی (غم نامے وتعزیت نامے) کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ مکاتیب بڑے ہی موثر اور دردانگیز ہیں جن میں رجوع الی اللہ، موت کی حقیقت، غم کی کیفیات میں صبر واستقامت اور دنیا کی بے ثباتی کو ایک اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مسعود صاحب موجِ خیال میں زندگی میں آنے والے غم واَلم کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ”آلام معمارِ حیات ہیں۔ شاید اس نظر سے ہم نے نہیں دیکھا ورنہ آلام سے نفرت نہ ہوتی، پیار ہوتا۔ ہم مصیبتوں سے بھاگتے ہیں مگر وہ ہمیں بنانے سنوارنے آتی ہیں۔ وہ غازۂ حیات ہیں۔ وہ بہارِ زندگی ہیں۔ ہاں عذاب الٰہی والی بات الگ ہے اور اگر دیکھا جائے تو یہ عذاب بھی دوسروں کے لیے عبرت ہے۔ دوسروں کا کارساز ہے۔
>
> تاریخ عالم دیکھ جائیے، مشاہیرِ عالم میں کوئی ایسا نظر نہ آئے گا جو غم والم سے بے گانہ رہا ہو۔ ان حضرات پر ایسی ایسی مصیبتیں آئیں کہ ان کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سرکار دوعالم ﷺ پر جتنی مصیبتیں آئیں سطح زمین پر کسی پر نہ آئی ہوں گی۔ عظمت والم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رہروِ منزل سے پوچھیے کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے اس پر کیا کچھ گزرتی ہے۔ کوئی منزل تک پہنچ نہیں سکتا جب تک مصائب کو خوش آمدید نہ کہے بلکہ اگر بلند

ہمت اور عالی حوصلہ ہے تو اس کو دعوت دینی چاہیے۔ لیکن ہم خوشیوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ یہ حباب کی طرح اُبھرتی اور مٹتی رہتی ہے۔ ہاتھ نہیں آتی۔ قابو میں نہیں رہتیں۔ دل فریب ہیں۔ مسرت کے ماروں کو رواں دواں رکھتی ہیں اور بالآخر ان کو موت کی آغوش میں جا سلاتی ہیں۔ وہ شعرا جنھوں نے غم کے گیت گائے ہیں اور مصیبتوں کو نعمت عظمیٰ سمجھا ہے اور عظمت غم و الم سے ناواقف نہ تھے۔ جبھی تو فانی بدایونی کہتے ہیں:

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہوا

اور اقبال کہتے ہیں:

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

ہاں اے رفیقو! اے ساتھیو! غم واَلم سے نہ بھاگو! ان کو خوش آمدید کہو۔ آنکھوں پر بٹھاؤ۔ سینے سے لگاؤ کہ یہ سینے سے لگانے ہی کے قابل ہے۔

درد عشق ہے مہمانِ جانِ من
باش وجہِ رونقِ ایں خانہ باش

ڈاکٹر مسعود صاحب کے اسلوب بیان کی اہم خوبی ان کا اختصار اور استدلال ہے۔''(۴) مختصر مختصر جملوں کی سادگی، ان کی تحریر کا نمایاں وصف ہے۔ وہ سیدھے سادے لفظوں میں بے ساختہ لکھتے تھے۔ ان کی عبارت چست اور رواں ہوتی۔ وہ جس موضوع پر لکھتے، اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے طرز تحریر بھی ویسا ہی اختیار کرتے، جو موضوع سے ہم آہنگ ہو۔ مثال کے طور پر مذہبی تحریروں میں عالمانہ انداز ہوتا، فلسفیانہ اور تحقیقی مضامین میں وہ ایک محقق کی شان میں نظر آتے تھے اور ادبی اور صحافتی مضامین میں سادگی وسلاست کے ساتھ ساتھ برجستگی سے کام لیتے۔ گویا ان کی کوئی بھی تحریر ادبی چاشنی سے خالی نہ ہوتی۔

مکتوبات مسعودی (غم نامے اور تعزیت نامے)

مکتوبات مسعودی (غم نامے اور تعزیت نامے) مرتبہ محمد عبد الستار طاہر نقش بندی، ضخامت ۱۴۴ صفحات، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء میں ۱۰۰۰ کی تعداد میں ادارۂ مسعودیہ، کراچی سے شائع ہوئے۔ ابتدائیہ اور تقدیم کل ۵ صفحات پر مشتمل ہے، جس کو عبد الستار طاہر صاحب نے ہی قلم بند کیا ہے۔ اس کے بعد مشمولات کے عنوان سے مکتوب الیہم کی

فہرست دی ہے جن میں ۵۸ شخصیات کا ذکر ہے۔

اس مقالہ کے لیے جو خطوط منتخب کیے گئے ہیں ان کے انتخاب کے وقت اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ ان خطوط میں ڈاکٹر مسعود صاحب کی شخصیت اور اندازِ فکر زیادہ نمایاں ہو۔ خطوط کے متن میں ملا کر لکھے گئے الفاظ کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے۔ کچھ لفظوں پر واوین کی ضرورت تھی وہاں متن میں واوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر ضرورت محسوس کرتے ہوئے حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ آیات قرآنی کو عربی فونٹ میں لکھا گیا ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مکتوبات مسعودی سے بعض خطوط کے اقتباسات پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن ڈاکٹر مسعود صاحب کے اسلوب و معنی کی تاثیر ہے کہ خط کے بار بار کے مطالعے سے بھی ان کی شگفتگی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی۔ ذیل میں ڈاکٹر مسعود صاحب کے چند خطوط ذوق مطالعہ کے لیے پیش خدمت ہیں۔

[۱] خطوط بنام مولانا تاج محمد مظہر صدیقی قادری (پشاور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گورنمنٹ کالج، مٹھی

۹/ جنوری ۱۹۷۶ء

برادر محترم زید لطفکم سلام مسنون!

یہ کیا ہوا، آپ نے فراموش کر دیا۔ ایسی امید تو نہیں تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی یاد نہ فرمایا۔ گزشتہ ماہ رنج و الم میں گزرا، اس لیے آپ اور حضرت شاہ صاحب اور یاد آئے۔۔۔۔ احباب میں کئی حضرات داغ مفارقت دے گئے۔ میر پور خاص میں محسن و کرم فرما پیر سرہندی صاحب اچانک انتقال فرما گئے۔۔۔۔ کراچی میں احقر کے خسر صاحب ۱۰/ دسمبر (۱۹۷۵ء) کو اچانک انتقال فرما گئے۔ پنڈی میں حضرت کے مرید باوفا رحلت کر گئے۔۔۔۔ دہلی اور گوالیار میں دو بزرگ اور انتقال کر گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون!**

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ عطا فرمائے، آمین! اور احقر کو صبر و استقامت رضا بہ رضا الٰہی کی توفیق عطا فرمائے آمین! ایک ماہ سے طبعیت بھی کچھ ناساز تھی۔ اب الحمدللہ اچھی ہے۔ اپنی خیریت اور حضرت شاہ صاحب کے تمام صاحبزادگان اور برادر محترم کو سلام کہہ دیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد (۳)

ڈاکٹر مسعود صاحب کے ہاں دو اسالیب ملتے ہیں ایک اسلوب، سادہ نثر نگاری کا ہے جو مذکورہ بالا خط میں نمایاں ہے۔ کس خوبصورتی سے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بے تکلفی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا ہے۔ سادہ و

سلیس اسلوب میں مشکل سے مشکل موضوع کو بیان کرنے کی غیر معمولی صلاحیت اللہ نے آپ کے قلم کو دی تھی۔ دوسرے اسلوب پر عربی اور فارسی کا گہرا اثر تھا۔ ان کے خطوط میں عربی و فارسی الفاظ کی کثرت، تشبیہات و تلمیحات کا استعمال بھی عمدگی کے ساتھ ملتا ہے۔ ایک خط ملاحظہ ہو:

[۲] بسم اللہ الرحمن الرحیم

گورنمنٹ کالج، مٹھی

خط مورخہ /۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء

اخی المکرم زید عنایتکم

سلام مسنون۔ تعزیت نامہ بلکہ غم نامہ موصول ہوا۔ آپ کے احساس غم کو پڑھ کر اور فکر مند ہو گیا۔ مولیٰ تعالیٰ ہمت و استقامت عطا فرمائے۔ آمین!

غم والم عطائے ربانی ہیں جو اہل دل کو ملا کرتی ہے۔ کوئی اللہ والا ایسا نہیں جو شدائد و مصائب سے دوچار نہ ہوا ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ نے خود فرمایا: جتنی مصیبتیں مجھ پر پڑی ہیں، کسی پر نہیں پڑیں۔ آزمائش کے بغیر محبت کا اندازہ نہیں ہوتا، اسی لیے آزمایا جاتا ہے اور اس آزمائش میں تعلق باقی رہا تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے اس لیے ہزار مصیبتیں آئیں لیکن دامن یار ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور کوئی کلمۂ رنج و افسوس زبان سے نہ نکلے۔

آہ نہ کر لبوں کو سی، عشق ہے دل لگی نہیں

کیا خوب کہا ہے۔۔۔۔

ماشاء اللہ آپ صاحب دل ہیں، ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں جو عاشقوں کے شایان شان نہیں۔ عاشق کی شان تو یہ ہے کہ غم والم پر بھی شکر کرتا ہے ؎

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہُوا

غم عطائے کریم ہے اس کو سینے سے لگائیے۔ اللہ اکبر! وہ خود ہمارے سینے سے لگا ہے۔ ذرا ملاحظہ تو فرمائیے:

و نحن اقرب الیہ من حبل الورید

کوئی معشوق اتنے قریب نہ ہوگا جتنا وہ محبوب حقیقی قریب ہے، پھر تنہائی کا احساس کیوں؟۔۔۔۔ یہ فقیر ایک سال سے خود گھر میں تنہا رہتا ہے۔ بچے اور اہلیہ کراچی میں ہیں لیکن الحمدللہ کبھی اس تنہائی پر شکوہ نہ کیا بلکہ شکر کیا کہ جب تک ترک ماسوا اللہ نہ ہو تعلق مع اللہ پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس تنہائی سے فیض روحانی حاصل کیا۔ یہاں تو کوئی عزیز و اقارب بھی نہیں، چاروں طرف مشرکین ہیں۔ الحمدللہ آپ کے پاس حضرت شاہ صاحب اور سب

احباب ہیں، اس لیے ہمت بلند رکھیں۔۔۔اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے بے اختیار بنا کر ہمارے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اللہ اکبر!

حضرت شاہ صاحب نے ''شرح شمائل'' شائع فرمائی یا نہیں اس کے متعلق ضرور مطلع کریں اور سلام شوق عرض کر دیں دیگر احباب کو بھی سلام کہہ دیں۔ آپ کی تعزیت، ہمدردی اور غم گساری کا ممنون ہوں (۴)۔

یہ خطوط طرفین کے درمیان گہری محبت اور اعتماد کا اظہاریہ ہیں۔ ان میں احساسات و جذبات کے ساتھ فکر آخرت اور زندگی کی حقیقت بھی عیاں ہے۔ ان میں پاسِ ادب کا لحاظ بھی ہے وہیں دلی غم وصدمہ کا اظہار بھی لیکن کہیں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا دکھائی نہیں دے رہا اور اذیت کے لمحات میں یہی کیفیت مطلوب و مقصود ہے۔ مولوی عبدالحق مکاتیب حالی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''خطوط سے انسانوں کی سیرت کا جیسا اندازہ ہوتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔ خطوں میں کاتب، مکتوب الیہ سے بلکہ اکثر اوقات اپنے آپ سے باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ جو خیال جس طرح اس کے دل میں ہوتا ہے اسی طرح قلم سے ٹپک پڑتا ہے، نہیں بلکہ وہ اپنا دل کاغذ کے ٹکڑے پر نکال کر رکھ دیتا ہے اور اگر وہ دل ایسا ہو جس میں ہمدردی بنی نوع انسان کوٹ کوٹ کر بھری ہو، جو پریم کے رس سے سینچا گیا ہو تو بتاؤ کہ اس دل کی تراوش کیسی ہوگی (۵)۔''

[۳] خط بنام مولانا حسن المآب (۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیدرآباد، سندھ

۱۹۴۹ء

صدیق محترم! سلام مسنون۔

نوازش نامہ موصول ہوا۔ محبت و ہمدردی کا شکر گزار ہوں

اس میں شک نہیں کہ برادر مرحوم کی یاد دل کو تڑپاتی ہے مگر واللہ اس تڑپ اور پھڑک میں لذت ہے اس اضطراب پر ہزاروں سکون قربان ہیں۔ ہاں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہ اس کریم کا بڑا انعام ہے کہ اس نے ہم کو دل پر درد عطا فرمایا ؎

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہُوا

خدا کا شکر ہے کہ ہم اور آپ عرصۂ دراز کے بعد پھر مل گئے۔ خدا وہ مبارک دن بھی جلد لائے جب ہم رو بہ رو ملاقات کریں۔ آمین! اگر موقعہ ملا تو میں مئی جون کی تعطیلات میں آؤں گا۔ اور سنایئے سوات کا کیا حال ہے، آپ کا شہر کتنا بڑا ہے؟ ماشاء اللہ کتنے بچے ہیں؟ ذرا تفصیل سے تحریر کریں (۷)۔

مذکورہ بالا مکتوب گرامی ڈاکٹر مسعود نے اپنے برادرِ اکبر کی تعزیت نامے کے جواب میں تحریر کیا۔ آپ خط لکھتے ہوئے کبھی جذبات میں نہیں آتے بلکہ موقعہ محل کے اعتبار سے برجستہ فارسی و عربی اشعار نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے دیرینہ تعلق کا بھی بڑے ہی دلکش انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ حال احوال معلوم کرنے کا ایک مقصد غم غلط کرنا اور مخاطب کو حوصلہ دینا ہے تو دوسرا مخاطب سے قلمی تعلقات کو مزید بڑھانا ہے۔ آپ کے ہر لفظ کے پیچھے ایک مقصدیت پنہاں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک مکتوب نگاری کا فن بڑا ہی پراسرار اور نازک فن ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''خط بڑا ہی نازک فن ہے۔ یہ کاری گری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی۔ یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع و بے محال بھی ہے۔ یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے اور آفاقی و اجتماعی بھی۔ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی۔ یہ بہ ظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق پھر بھی دفتر ہے، معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا۔ یہ لکھنے والے کے لیے تو محض عروضِ سخن ہے لیکن پڑھنے والے کے لیے گنجینۂ فن ہو سکتا ہے۔ غرض، خط ایک جہاں راز ہے جس کے راز اگر سربستہ رہیں تو سینوں کو گہرہائے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دنیا مشک زار بن جائے (۸)۔''

[۴] بنام قاری سید حفیظ الرحمن صاحب (۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیدر آباد، سندھ

۱۹۵۰ء

مکرمی و محترمی زید مجدکم

السلام علیکم، اباجی کے سانحہ ارتحال کی خبر جاں گداز، خرمن صبر و قرار کے لیے برق ناگاہی ثابت ہوئی۔ آپ کا وجود مغتنمات میں سے تھا لیکن حیف صد حیف کہ زمانے کے ہاتھوں نے ہم سے چھین لیا اور ہمارے سینوں میں دلوں کو تڑپتا چھوڑ دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون! اس خبر ہوش ربا نے دل مجروح پر تیر و نشتر کا کام کیا۔ بے حد افسوس اور انتہائی

رنج و ملال ہوا۔ افسوس کہ نیرنگیٔ دوراں نے ان کے فیض سے ہمیں کچھ روز اور بہرور نہ ہونے دیا۔ اور عالم آب و گل سے اٹھا کر راہیٔ عالم باقی کیا، اشک بار آنکھیں اور تڑپتا ہوا دل لیے ہوئے دست بہ دعا ہوں کہ منعم حقیقی حضرت قبلہ کو اپنے جوار قدسی میں مقام رفیع مرحمت فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین! اس لیے کہ حسن خاتمہ ہی سرمایۂ نجات اخروی ہے۔ آمین! اور تربت کو حدیقۂ خلد اور ریاض بہشت بنا دے!

سب برادران کو سلام مسنون کہہ دیں۔ حقیر سب کا شریک غم ہے۔ خصوصاً برادرم مولوی عبدالرحیم صاحب، ہمشیرہ صاحبہ اور بچوں کو سلام۔ ؎

ہر شے مسافر ہر چیز راہی
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد (۱۰)

خط کا بنیادی مطالبہ ابلاغ ہے یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر مسعود صاحب نثر میں تکلف و تصنع کے قائل نہ تھے اور نہ ہی ان کے ہاں مرصع و مسجع زبان کا استعمال ملتا تھا۔ یہی انداز ان کے خطوط میں نمایاں ہے وہ چھوٹے چھوٹے فقرے بڑی خوبصورتی سے لکھتے جیسے ایک لڑی میں موتی پروئے ہوئے ہوں اور سادہ لیکن واضح انداز میں اپنی بات مکتوب الیہ تک پہنچانے پر قدرت رکھتے تھے۔

[۵] خطوط بنام خلیل احمد رانا (۱۱)

باسمہ تعالیٰ

گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ سندھ

۲۹/مارچ ۱۹۸۲ء

برادر عزیز زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولانا اسد نظامی صاحب کے خط سے آپ کے والد ماجد کے انتقال پر ملال کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ۔ بے حد صدمہ ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ عطا فرمائے اور سب پسماندگان کو صبر و استقامت ارزانی فرمائے۔ آمین!

والد کا سایہ اٹھ جانا زندگی کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ جس پر گزرتی ہے وہی خوب جانتا ہے مگر سب کو اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔ بس دیر سویر کی بات ہے قرآن پاک میں صالح اولاد سے وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اور جنت میں اس کو اس کے صالح والدین سے ملایا جائے گا۔ تو یہ فراق عارضی ہے، اس فراق کا انجام وصال ہے۔

سب پسماندگان سے تعزیت کر دیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو صبر عطا فرمائے اور اپنی رضا پر راضی رکھے۔ آمین!

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد (۱۲)

[۶]

پی سی ایچ سوسائٹی

کراچی نمبر ۷۵۴۰۰

۱۲/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ/۲۹/مارچ ۱۹۹۱ء

مکرمی زید مجدہ

سلام مسنون۔ غم نامہ سکھر سے ہوتا ہوا کراچی پہنچا۔ والدۂ مکرمہ کے انتقال کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! مولیٰ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے مقام قرب میں درجات عالیہ عطا فرمائے۔ آمین! وہ صالحہ عابدہ تھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کریم نے اپنی بے کراں رحمتوں سے نوازا ہوگا۔ آپ سعادت مند ہیں کہ والدین کریمین کے لیے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کی برکتوں سے آپ کو بھی نوازے۔ آمین! فقیر آپ کا شریک غم ہے۔

''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' شائع ہوگئی ہے۔ امید ہے کہ مولانا عبداللہ عسکری صاحب نے اس کی کاپیاں ارسال کی ہوں گی۔ اگر نہ بھیجی ہوں تو ان کو لکھ کر منگوالیں۔

فقیر کراچی آگیا ہے۔ یہاں وزارت تعلیم میں ایڈیشنل سیکریٹری کی حیثیت سے ۲۳/فروری کو چارج لے لیا ہے۔ آئندہ کراچی کے پتے پر مراسلت فرمائیں۔ اس سال فقیر حج بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ! (۱۳)

[۷]

پی سی ایچ سوسائٹی

کراچی۔ کوڈ نمبر ۷۵۴۰۰

/۳ مارچ ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نوازش نامہ اور کتابیں موصول ہوئیں۔ عنایت وکرم کا ممنون ہوں۔ ماشاء اللہ آپ جب لکھتے ہیں، تحقیق سے لکھتے ہیں۔

فقیر کے برادر اصغر مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد ۲۸ رمضان المبارک کو دہلی میں وصال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون! ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ مولائے کریم ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے، آمین۔ مرحوم فقیر سے چھوٹے تھے۔ سات بھائی تھے، اب فقیر رہ گیا ہے۔ مولائے کریم حسن خاتمہ کی دولت سے مشرف فرمائے، آمین!

''حیات شاہ عبدالعلیم صدیقی'' اور ''فتاویٰ کرامات غوثیہ'' فقیر کے پاس نہیں۔ انشاء اللہ جو کتاب شائع ہوگی، بھیج دی جائے گی۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد (۱۴)

ڈاکٹر مسعود صاحب غم والم کو زندگی کا حصہ سمجھتے تھے۔ آپ کے مندرجہ بالا خطوط میں یہی تلقین ہے کہ دنیا کے رنج والم وقتی ہیں۔ جن کے لیے اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے انہیں تقدیر الٰہی کا فیصلہ سمجھتے ہوئے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے، یہی نصیحت بار بار آپ کے مکتوبات میں ملتی ہے۔ جن میں خلوص و محبت کی چاشنی نظر آتی ہے۔ یہ محبت نہ صرف اپنوں کے لیے تھی بلکہ دوست احباب اور تمام متعلقین کے لیے یکساں تھی۔ جن میں نہ تکلف و تمہید تھی نہ ہی فن کی باریکیاں تھیں۔ اس کے باوجود جو کچھ بھی ان کے دل و دماغ میں تھا اسے لفظی جامہ پہنا کر کاغذ پر منتقل کر دیتے۔

ڈاکٹر مسعود صاحب ایک محقق تھے اور آپ ہمہ وقت اپنے مزاج کے مطابق کتب کے لیے بے چین نظر آتے تھے یہی سبب ہے کہ آپ مکاتیب تعزیت میں بعض اوقات کتب و مقالات کی ترسیل یا حصول کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ نیز اپنے معاصرین کی علمی سرگرمیاں جاننے کے خواہاں رہتے ہیں ساتھ ہی اپنے مشاغل و مصروفیات سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔

ایک اچھے خط کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''ہر اچھے خط کو وہ مقصد ضرور پورا کرنا چاہیے، جو اس کے لیے اصلاً محرّک ہوا ہو، یعنی پیغام کے مطالب کا قطعی ابلاغ، جس کا مطلب یہ ہے کہ خط نگار جو کہنا چاہتا ہے، وہ تو بہر حال ایسے انداز میں کہے کہ مکتوب الیہ کو پیغام کی جزئیات کا قطعی علم ہو جائے (۱۵)۔''

ڈاکٹر مسعود صاحب ایک نبض شناس ادیب کی طرح اپنے مقصد سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ آپ انسانی رشتوں کی تصویر کشی میں کمال رکھتے ہیں جیسے والدین اور اولاد کا رشتہ۔ جو اپنے اندر بہت گہرائی رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک آزمائش بھی ہے کیونکہ دورِ حاضر میں عام مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ اولاد کی خاطر انسان کیا کچھ کرنے پر مجبور نہیں ہو جاتا جو عام حالات میں کوئی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد کی جدائی کا غم اپنی جگہ لیکن اس موقعہ پر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عنایات کی طرف سے نظر نہیں ہٹنی چاہیے۔ اس خط میں تمام اجزا کو ایک

مخصوص ترتیب کے مطابق برتا گیا ہے اور ایک خاص توازن کا احساس موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا انداز ناصحانہ ہے لیکن ساتھ ہی اپنے دوست کو تسلی بھی دے رہے ہیں تاکہ اس خط کے ذریعے غم کی شدت میں کمی واقع ہو سکے۔ اس کے لیے آپ بیتی کا ذکر بھی کرتے ہیں اور والد گرامی کی محبت وشفقت ومودّت ورحمت کے ان مول جذبہ کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ پھر ایک عورت اور اس کے بچہ کی جدائی کے غم کو انتہائی دردناک انداز میں بیان کیا ہے جن سے آپ کو ماہرِ نفسیات قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کے خطوط میں انسانی فطرت کی باریکیاں بڑی تفصیل کے ساتھ ملتی ہیں اور سیاسی ومعاشرتی تاریخ کا کرب انگیز بیان بھی موجود ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں:

> ''جن خطوں میں شخصی جذبے کا استعمال کچھ ایسے انداز میں ہوا ہے کہ شخصی ہونے کے باوجود اس کی حیثیت وسیع معنوں میں انسانی ہوگئی ہے، ان خطوں کی دلچسپی اور دیرپا مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا (۱۶)۔''

عام تحریر ومضامین میں لکھنے والے کے جذبات چھپ جاتے ہیں لیکن خطوط دراصل انسانی جذبات و احساسات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اگر اس اقتباس کی روشنی میں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے مکتوبات غم وتعزیت کا مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ آپ کے مکاتیب اس خیال پر پورا اترتے ہیں، بلکہ ان میں ایسی آفاقیت ہے جو اس وقت تک زندہ رہ سکتی ہے، جب تک اُردو زبان کا وجود باقی ہے۔

حواشی:

(۱) گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستان، (لکھنؤ: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۔
(۲) احمد محمد مسعود، ڈاکٹر، موج خیال، (کراچی: ادارہ مسعودیہ، طبع دوم، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)، ص ۱۵۹۔۱۶۰۔
(۳) نقش بندی، محمد عبدالستار طاہر، مکتوبات مسعودی (غم نامے اور تعزیت نامے)، (کراچی: ادارۂ مسعودیہ، ۲۰۰۲ء)، ص ۳۲۔
(۴) ایضاً، ۳۳۔۳۴۔
(۵) عبدالحق، مولوی، مکاتیب حالی، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء)، ص ۱۹۴۔
(۶) یہ خط بنام مولانا حسن المآب (منگورہ، سوات) ہے، جو ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے سابق رفیق درس بمقام مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے برادر بزرگ مولانا منظور احمد کی خبر وصال پر لکھا۔
(۷) نقش بندی، مکتوبات مسعودی، ص ۳۶۔
(۸) محمد طفیل (مرتبہ)، نقوش، مکاتیب نمبر، نومبر، ۱۹۵۷ء، ص ۲۴۔

(۹) یہ خط ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے اپنے بہنوئی قاری سید حفیظ الرحمن صاحب (بھاول پور) کو ان کے والد گرامی کے وصال پر تحریر کیا۔

(۱۰) نقش بندی، مکتوبات مسعودی، ص ۳۷۔۳۸۔

(۱۱) اگلے تینوں خطوط ڈاکٹر مسعود صاحب نے خلیل احمد رانا (نعمان اکیڈمی، جہانیاں منڈی خانیوال) کو لکھے ہیں، جن میں پہلا خط ان کے والد، دوسرا خط ان کی والدہ کی تعزیت کے لیے جبکہ تیسرے خط میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے برادر اصغر ڈاکٹر محمد سعید احمد کے انتقال کی خبر دی گئی ہے۔

(۱۲) نقش بندی، مکتوبات مسعودی، ص ۳۸۔۳۹۔

(۱۳) ایضاً، ص ۳۹۔۴۰۔

(۱۴) ایضاً، ص ۴۰۔۴۱۔

(۱۵) عبداللہ سید، ڈاکٹر، اُردو خط نگاری، مشمولہ: خط نگاری، مباحث، روایت اور اہمیت، مرتبہ: ڈاکٹر سید جاوید اقبال، (حیدرآباد: قصرادب، ۲۰۱۵ء)، ص ۶۔

(۱۶) ایضاً، ص ۶۔

مآخذ:

۱۔ احمد، محمد مسعود ڈاکٹر، موج خیال، کراچی: ادارہ مسعودیہ، طبع دوم، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۲۔ عبدالحق، مولوی، مکاتیب حالی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔

۳۔ عبداللہ سید، ڈاکٹر، اُردو خط نگاری، مشمولہ: خط نگاری، مباحث، روایت اور اہمیت، مرتبہ: ڈاکٹر سید جاوید اقبال، حیدرآباد: قصرادب، ۲۰۱۵ء۔

۴۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستان، لکھنؤ: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء۔

۵۔ محمد طفیل (مرتبہ)، نقوش، مکاتیب نمبر، نومبر، ۱۹۵۷ء۔

۶۔ نقش بندی، محمد عبدالستار طاہر، مکتوبات مسعودی (غم نامے اور تعزیت نامے)، کراچی: ادارۂ مسعودیہ، ۲۰۰۲ء۔